مومن اپنی امانتوں اور عہدوں کی پڑتال کے ساتھ ساتھ تقویٰ کی دوربین سے اس کی کیفیت کو دیکھتے رہتے ہیں

(خطبہ جمعہ فرمودہ 18 ستمبر 1998ء بمقام بیت الفضل لندن)

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انورؒ نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت کیں:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ ۝ (المومنون:2 تا4)

پھر فرمایا:

ان آیات پر خطبہ دینے سے پہلے میں گزشتہ خطبہ کے تسلسل میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند حوالے پیش کررہا ہوں جو وقت ختم ہونے کی وجہ سے پہلے پیش نہیں کئے جاسکے تھے۔ دس پندرہ منٹ کے اندر اُمید ہے یا اس سے بھی پہلے یہ مضمون ختم ہوجائے گا یعنی مضمون تو ختم نہیں ہوسکتا مگر اس خطبہ میں مَیں اس کو ختم کروں گا اور آئندہ پھر جب توفیق ملے گی دوبارہ چھیڑوں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

’’خلاصہ مطلب یہ کہ وہ مومن جو وجود روحانی میں پنجم درجہ پر ہیں وہ اپنے معاملات میں خواہ خدا کے ساتھ ہیں خواہ مخلوق کے ساتھ بے قید اور خلیع الرسن نہیں ہوتے۔‘‘

گھوڑے کی رسّی کو اگر چھوڑ دیا جائے تو گھوڑا جہاں چاہے چلا جاتا ہے اس کو کہتے ہیں خلیع الرسن، تو ایسا انسان جس پہ کوئی پابندی نہ ہو وہ جدھر منہ اٹھے اس طرف بھاگ پڑے اس کو خلیع الرسن

کہتے ہیں تو فرمایا خواہ خدا تعالیٰ سے معاملات ہوں خواہ مخلوق کے ساتھ ان دونوں میں اس کی رسی کھلی نہیں چھوڑی جاتی وہ بعض پابندیوں کی حدود میں رہتا ہے اور جدھر چاہے ادھر منہ کر کے بے تحاشا دوڑ نہیں سکتا۔ کیوں؟ اس لئے کہ:

’’اس خوف سے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کسی اعتراض کے نیچے نہ آجاویں۔ (یہ ڈر ہے جو اسے مختلف امور میں زیادتیوں سے بچائے رکھتا ہے) اپنی امانتوں اور عہدوں میں دور دور کا خیال رکھ لیتے ہیں۔ اور ہمیشہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی پڑتال کرتے رہتے ہیں۔ (یہ ایک بہت ہی اہم حصّہ ہے اس عبارت کا جس کی تشریح ابھی اس کے بعد آئے گی) اور ہمیشہ اپنی امانتوں اور عہدوں کی پڑتال کرتے رہتے ہیں اور تقویٰ کی دوربین سے اس کی اندرونی کیفیت کو دیکھتے رہتے ہیں۔‘‘

اب اگر سرسری نظر سے آپ مطالعہ کریں تو اپنے اندر ہی دوربین کے استعمال کی ضرورت نہیں پیش آسکتی۔ خوردبین کے استعمال کی ضرورت پیش آنی چاہئے کیونکہ خوردبین نزدیک کی چیز کو بڑا کر کے دکھاتی ہے لیکن جو پہلی عبارت کا حصّہ ہے اس سے اس دوسری عبارت کی تشریح ہو رہی ہے۔ اپنی امانتوں اور عہدوں میں دور دور کا خیال رکھ لیتے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ انسان کے اندر اس کی مخفی حالتیں اس سے بہت دور ہوتی ہیں اور معنوی لحاظ سے بعض دفعہ اتنا دور ہوتی ہیں کہ وہ دوربین کے سوا اُنہیں دیکھ ہی نہیں سکتا۔ تو یہاں دوربین کے لفظ کا استعمال حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عرفان پر ایک گہری دلالت کرتا ہے یعنی بہت ہی گہرا عرفان ہے اور ہر لفظ بہت احتیاط سے اور چُن کے لکھتے ہیں۔

’’تا ایسا نہ ہو کہ در پردہ ان کی امانتوں اور عہدوں میں کچھ فتور ہو۔‘‘

یعنی پردے کے پیچھے چھپی ہوئی چیز جیسے دکھائی نہیں دیتی اس طرح ان کو اپنی اندرونی حالتوں کو غور سے دیکھنے کے لئے اور دور دور تک ان پر نظر کرنے کی خاطر گہری نظر سے دیکھنا پڑتا ہے۔

’’جو امانتیں خدا تعالیٰ کی ان کے پاس ہیں جیسے تمام قویٰ اور تمام اعضاء اور جان اور مال اور عزت وغیرہ ان کو حتی الوسع اپنی بپابندیٔ تقویٰ بہت احتیاط سے اپنے اپنے محل پر استعمال کرتے رہتے ہیں۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ:208)

اب اس عبارت میں تو زندگی کا ہر مشغلہ شامل ہو جاتا ہے کیونکہ تمام قویٰ، تمام اعضاء، جان، مال، عزت ان سب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس جملہ میں سمیٹ لیا ہے۔ تو ساری زندگی کے مشاغل اسی احتیاط کے پابند ہو جاتے ہیں۔ ”حتی الوسع اپنی بپابندیٔ تقویٰ بہت احتیاط سے اپنے اپنے محل پر استعمال کرتے رہتے ہیں۔“ اب ہر ایک کے تقویٰ کا معیار الگ الگ ہے تو ”حتی الوسع اپنی بپابندیٔ تقویٰ“ جتنا تقویٰ خدا تعالیٰ نے کسی کو عطا فرمایا ہے یا وہ اپنے تقویٰ کو خدا تعالیٰ کی نظر میں ہمیشہ سامنے رکھتا ہے اور اس تقویٰ میں وسعت ہوتی چلی جاتی ہے اس وسعت کی انتہا تک جس حد تک بھی ممکن ہے وہ تمام قویٰ کو اس پابندی پر مجبور کرتے ہیں۔

”انسان کی تمام روحانی خوبصورتی تقویٰ کی تمام باریک راہوں پر قدم مارنا ہے۔“

یہ مضمون گزشتہ خطبہ میں بھی میں نے بیان کیا تھا۔ تقویٰ کی باریک راہوں سے متعلق حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف انداز، مختلف سمتوں سے ہمیں توجہ دلائی ہے تاکہ یہ مضمون اپنی گہرائی کے ساتھ سمجھ آسکے۔

”تقویٰ کی باریک راہیں روحانی خوبصورتی کے لطیف نقوش اور خوشنما خط و خال ہیں۔“

اب باریک راہیں اور لطیف نقوش ان دونوں کا باہمی جوڑ ہے۔ جتنا زیادہ آپ تقویٰ کی باریک راہوں پر نظر رکھیں گے اتنا ہی زیادہ آپ کے روحانی خط و خال حسین اور حسین تر ہوتے چلے جائیں گے۔ جیسے ایک بہت ہی خوبصورت وجود کے چہرہ کے باریک ترین اعضاء بھی، باریک ترین جلد کا ابھار اور جلد کا جھکنا اور ان کے خم، یہ ساری چیزیں اگر آپ کسی خوبصورت چہرہ کو دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ بہت ہی لطافت کے ساتھ تشکیل دیئے گئے ہیں اور جتنا تقویٰ لطیف ہوگا اتنا ہی روحانی خط و خال اسی طرح لطافت کے ساتھ تشکیل دیئے جائیں گے۔ یہ مضمون ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرما رہے ہیں۔ پھر فرماتے ہیں:

”اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی امانتوں اور ایمانی عہدوں کی حتی الوسع رعایت کرنا اور سر سے پیر تک جتنے قویٰ اور اعضاء ہیں جن میں ظاہری طور پر آنکھیں اور کان اور ہاتھ اور پیر اور دوسرے اعضاء ہیں اور باطنی طور پر دل اور دوسری قوتیں اور اخلاق ہیں ان کو جہاں تک طاقت ہو ٹھیک ٹھیک محل ضرورت پر استعمال کرنا اور ناجائز مواضع سے روکنا

اور ان کے پوشیدہ حملوں سے متنبہ رہنا اور اسی کے مقابل پر حقوق العباد کا بھی لحاظ رکھنا یہ وہ طریق ہے کہ انسان کی تمام روحانی خوبصورتی اس سے وابستہ ہے۔‘‘

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصّہ پنجم، روحانی خزائن جلد 21 صفحہ: 210,209)

اب یہ عبارت ایک ایسی عبارت ہے اگر اس کے ایک ایک لفظ کو ٹھہر ٹھہر کر غور سے پڑھا جائے اور اسے کھولا جائے تو جہاں یہ دکھائی دیتا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے تقویٰ کی باریک راہوں کا کوئی بھی پہلو باقی نہیں رہنے دیا اس کو کلیۃً گھیر لیا ہے، ہر امکان کو پیش نظر رکھا ہے اور ہر احتمال کو پیش نظر رکھا ہے وہاں مضمون مشکل بھی بہت ہو گیا ہے یعنی جتنا آپ اس کو سمجھتے جائیں گے اتنا ہی تقویٰ کی باریک راہوں پر قدم مارنا مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جائے گا۔ پس جماعت احمدیہ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بنیادی تعلیم کو پیش نظر رکھتے ہوئے، جو بنیادی بھی ہے اور تفصیلی بھی ہے، اپنے خط وخال کو درست کرتے رہنا چاہئے اور جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے پہلے بھی میں بیان کر چکا ہوں کہ حقیقت میں یہ کام دعا کی مدد کے بغیر ممکن ہی نہیں اور جو شخص خدا کی خاطر ایک کام شروع کرتا ہے وہ بار بار اسی کی طرف دیکھتا ہے اور اسی سے ہر قدم پر، ہر لمحہ مدد چاہتا ہے۔ پس جتنا بھی مشکل مضمون ہو اگر آپ سفر شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف التجاء کی نظروں سے راہنمائی چاہتے ہوئے دیکھتے رہیں تو آپ کا رستہ آسان ہو جائے گا۔ اگر بچے ماں باپ کے آگے آگے بھاگ رہے ہوں تو بعض بچے اس طرح بھاگتے ہیں کہ وہ مُڑ کے دیکھتے بھی نہیں کہ ماں باپ ان کو کسی خاص سمت سے روکنا چاہتے ہیں یا خاص طرز پہ چلانا چاہتے ہیں، وہ ٹھوکر کھا جاتے ہیں مگر بعض بچے بڑے محتاط ہوتے ہیں اور مُڑ مُڑ کے ماں باپ کی نظریں دیکھتے رہتے ہیں۔ اگر وہ بولیں نہ بھی تب بھی ان کی نظریں بتا دیتی ہیں کہ اتنا تیز نہ دوڑو۔ اگر وہ سمجھائیں نہ بھی تب بھی ان کو ماں باپ کا عندیہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس طرز پر قدم رکھو، اس طرز پر نہ رکھو اور ایسے بچے پھر ٹھوکروں سے محفوظ رہتے ہیں۔

اب اللہ تعالیٰ کا ہر موقع پر کلام کرنا تو خاص بندوں کے لئے ہے جیسا کہ بعض انبیاءؑ کے حالات میں معلوم ہوتا ہے جیسا کہ حضرت نوحؑ کی کشتی خدا کی نظروں کے سامنے چل رہی تھی اور ہر لمحہ اس کی نگرانی میں تھی تو انبیاء علیھم السلام کو چھوڑ کر وہ عامۃ النّاس جو تقویٰ کا سفر شروع کرتے ہیں ان کا یہ

توقع رکھنا کہ خدا ہر قدم پر ان کو بتائے گا، بول کر بتائے گا کہ یہ کام نہیں کرنا، یہ کام نہیں کرنا، یہ توقع ایک لحاظ سے پوری بھی ہو چکی ہے اور غلط بھی ہے۔ پوری اس لئے ہو چکی کہ آنحضرت ﷺ کو بول کر بتا دیا اور سارا قرآن، سارا کلام الٰہی اس بات پر گواہ ہے کہ ہمارے سامنے ہر چیز کھول کر باتوں میں رکھ دی ہے کوئی ایک بات بھی ایسی نہیں جس میں محض اشاروں پر احتیاج ہو مگر فرد واحد کے لئے وہ کلام نہیں اترتا۔ پس ان معنوں میں خاموشی بھی خدا تعالیٰ کی ایک شان ہے۔ جہاں بولتا ہے وہاں خاموش بھی رہتا ہے اور اس خاموشی میں اپنے بندوں سے توقع رکھتا ہے کہ وہ مُڑ مُڑ کے دیکھتے رہیں جیسے بچے دیکھتے ہیں اور وہ اگر خدا کی نگاہ پر اپنی نظریں رکھیں تو ان کے لئے رستہ تشکیل دینا کوئی مشکل کام نہیں رہتا، رستے کی ٹھوکروں سے بچنا کوئی مشکل کام نہیں رہتا۔ تو اس طرح جماعت احمدیہ کو اللہ پر نظر رکھتے ہوئے اپنے قدم آگے بڑھانے چاہئیں اور جب وہ نظر رکھیں گے تو جیسا کہ میں نے مثال بیان کی ہے وہ لازماً احتیاط کریں گے اور جب نظر رکھیں گے تو ان کی پریشانی خدا بھی دیکھ رہا ہوگا۔ ان کی تکلیف کا احساس خدا تعالیٰ کو بھی دکھائی دے رہا ہوگا۔ تو بعض دفعہ خاموشی دونوں طرف رہتی ہے اور دونوں طرف وہ کلام بن جایا کرتی ہے۔ خدا کے بندے بھی اونچی زبان میں دعا کریں نہ کریں جب وہ اپنے ربّ کی طرف خوف کی حالت میں دیکھتے ہیں اور طمع کی حالت میں دیکھتے ہیں تو ان کی خوف اور طمع کی حالت دعائیں بن جاتی ہیں۔ پس اس طرح اگر آپ کو یاد نہ بھی رہا ہو کہ ہمیں ہمیشہ اپنے لئے دعا کرنی چاہئے اور ہر انسان کو یہ یاد بھی نہیں رہتا لیکن اگر اسلوب یہ ہو جو میں نے بیان کیا ہے تو پھر منہ سے بولنے کی بھی ضرورت نہیں اللہ ہر حال میں نگاہ رکھتا ہے اور اپنے پیارے بندوں کے ساتھ پیار کا سلوک فرماتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام امانت ہی کے مضمون میں ڈاکٹر جگن ناتھ صاحب جموں کے نام اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں:

”ہم اسی وقت سچے بندے ٹھہر سکتے ہیں کہ جو خداوند منعم نے ہمیں دیا ہے ہم اس کو واپس دیں یا واپس دینے کے لئے تیار ہو جائیں۔“

(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ:338 حاشیہ)

اب یہ دو حالتیں ہیں جو عموماً انسان بھول جاتا ہے۔ اگر انسان خدا کی امانت کو واپس کرنا چاہے تو اس وقت جب وہ خدا واپس لے لیتا ہے اس وقت اس کی آزمائش ہوتی ہے۔ کہنے کو تو سب کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی امانت ہے۔

جان دی دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یوں ہے کہ حق ادا نہ ہوا (میرزا اسداللہ خاں غالب)

کہہ تو دیتے ہیں مگر جب وہ جان طلب کرتا ہے اس وقت جان پیش کرنا یہ ہے امانت کو لوٹانا۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دیکھیں کتنی احتیاط سے دونوں پہلو بیک وقت بیان فرمادئے۔

”جو خداوند منعم نے ہمیں دیا ہے ہم اس کو واپس دیں یا واپس دینے کے لئے تیار ہوجائیں ہماری جان اس کی امانت ہے۔“

پس وہی بات ہے کہ جان اسی کی دی ہوئی ہے اسی کی امانت ہے مگر جب وہ واپس مانگے تو پھر دے بھی دو اس کو، محض زبانی جمع خرچ کہ ہم ہر وقت جان فدا کرنے پر تیار بیٹھے ہیں کوئی بھی حقیقت نہیں رکھتا۔ اگر طلب کرنے پر وہ دی نہ جائے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اکثر جو امانتیں ہیں ان کو طلب نہیں کرتا اور جتنا بھی کسی کو توفیق ہے جس حد تک وہ واپسی شروع کر دیتا ہے اسی حد تک اللہ تعالیٰ بھی راضی رہتا ہے لیکن بعض وقت ایسے آتے ہیں جب طلب کرتا ہے اور جب طلب کرتا ہے تو اپنی جانیں لازماً خدا کے حضور پیش کرنی ہیں۔ ایسے اوقات مثلاً خدا کی خاطر جہاد میں جب قتال کا وقت آئے اس وقت بھی پیش آیا کرتے ہیں۔ جب خدا طلب کر لیتا ہے تو پھر کسی مومن کا یہ حق نہیں رہتا کہ طلب کے بعد پھر اسے اپنی چیز سمجھے پھر اسے لازماً لوٹانا پڑتا ہے اور اس لوٹانے کے وقت بھی لوٹانے کے لئے تیاری، ذہنی تیاری اور قلبی تیاری ہوتی ہے۔ لوٹانے کا یہ مطلب نہیں کہ جان کو خطرہ میں ڈال کر خود ہی پھینک دے۔ یہ امانت لوٹانا نہیں ہے خدا تعالیٰ نے امانت کو جب طلب کیا ہے تو کسی مقصد کے لئے طلب کرتا ہے۔ اگر وہ مقصد پورا نہ ہو تو بغیر مقصد پورا کئے امانت واپس کرنا مدعا نہیں ہے ورنہ تو پھر خودکشی ایک بہت بڑا نیک عمل بن جاتی ہے۔ کوئی انسان کہتا کہ یہ اللہ کی امانت ہے آج میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ یہ امانت واپس کر دوں گا مگر نیک عمل چھوڑ کے بدترین گناہ بن جاتی ہے کیونکہ امانت کی واپسی بعض شرائط کے ساتھ مشروط ہے یعنی امانت خدا تعالیٰ نے بے سبب نہیں دی بعض عظیم مقاصد

کو پورا کرنے کی خاطر دی ہے اس طرح واپس کرو کہ وہ عظیم مقاصد ساتھ ساتھ پورے ہوں۔ پس جب اللہ تعالیٰ جہاد میں بھی جان طلب کرتا ہے تو مقاصد کو پورا کرتے ہوئے جان دینی پڑتی ہے ورنہ اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالنا ایک بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی مضمون کے پیش نظر فرمایا:

”ہماری جان اس کی امانت ہے اور وہ فرماتا ہے کہ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا۔ (النساء:59)“

(آسمانی فیصلہ، روحانی خزائن جلد 4 صفحہ:338 حاشیہ)

اب تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا کا ایک مضمون تو وہ ہے جو عام طور پر حکام کی نسبت سے سمجھ آتا ہے اور سمجھایا جاتا ہے جو کسی کا اہل ہے اس کو امانت دو مگر سب سے زیادہ اہل تو اللہ ہے کیونکہ اللہ ہی نے امانت عطا فرمائی تھی۔ پس جو سب سے زیادہ اہل ہے اس کے حضور پیش کرو اور جب مانگتا ہے تو پھر طوعی طور پر پیش کرو۔ اس طرح پیش نہ کرو جس طرح حکام پھر زبردستی تمہاری جانیں لے لیتے ہیں۔ بعض دفعہ جنگی ضرورتوں کے وقت حکام جن کو آپ نے امانت سپرد کی ہے یعنی حکومت کی طاقت آپ کی طرف سے ان کو ملی ہے اس امانت میں بعض دفعہ قومی مفادات کے پیش نظر جانیں طلب کی جاتی ہیں اور آپ یہ امانت دے بیٹھے ہیں حکام کو، پھر جب وہ طلب کرتے ہیں تو پھر زبردستی لیتے ہیں۔ اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ ایسے موقع پر زبردستی نہیں لیتا بلکہ آزمائش کرتا ہے۔ انہی کی جانیں قبول کرتا ہے جو ازخود خوشی سے اس کے حضور پیش کرنے پر حاضر ہوں۔ بلکہ اتنی لذت محسوس کریں کہ اگر جانیں قبول نہ کی جائیں تو غمزدہ ہو جائیں، ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگیں۔ یہ امانت کی واپسی ہے جس کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بلا رہے ہیں کہ اصل اہل تو اب آیا ہے یعنی اللہ۔ جب وہ مانگتا ہے تو دوڑ دوڑ کر خوشی کے ساتھ اس کے حضور پیش کرو اور اس کے نتیجہ میں انسان پر بوجھ نہیں پڑتا بلکہ بوجھ ہلکا ہوتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب بھی کوئی شخص آپ کے پاس امانت رکھواتا ہے اس کی حفاظت پر آپ کو ضرور کچھ محنت کرنی پڑتی ہے، خیال رکھنا پڑتا ہے۔ جب تک وہ امانت واپس نہ لے آپ کے دل پر اس امانت کا بوجھ رہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی یہی معاملہ ہے جب امانت واپس مانگتا ہے تو شکر کریں کہ اس بوجھ کو ہم لئے پھرتے ہیں اور اس کے حقوق ادا نہیں کر رہے تھے اب اکٹھی ہم امانت جب سپرد کر دیں گے تو پھر وہی حقوق کا مالک ہے جیسے کہتے ہیں:

سپردم بہ تو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را (حکیم نظام گنجوی)

اس لئے شہداء کے متعلق فرمایا ہے کہ وہ بخشے گئے۔ ان کے پہلے اگر گناہ بھی تھے اگر غفلتیں تھیں کوتاہیاں تھیں تو زندگی کے دوران ایسی چیزیں ہو جاتی ہیں کہ انسان امانت کا حق پورا ادا نہیں کر سکتا مگر جب خدا نے مانگ لی تو پھر اس کے سپرد کرنے کے نتیجہ میں پہلی ساری غفلتیں معاف ہو جاتی ہیں اور یہ بوجھ سر سے اتر تا ہے۔ گلے سے تو نہیں کیوں کہ اس میں دوسرا مفہوم آ جاتا ہے، اپنے سر اور سینے پر جو بوجھ لئے پھرتے ہیں امانت کا یہ اتار کر فارغ البال ہو جاتے ہیں یعنی پھر اللہ تعالیٰ کا معاملہ ان کے ساتھ ایسا ہے کہ ان کو سنبھالنا، ان کی حفاظت کرنا، ان کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرنا پھر اللہ کا کام ہے۔

چنانچہ آخر پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ اقتباس رکھ رہا ہوں جس سے پتا چلتا ہے کہ دراصل تو امانت دار صرف ایک ہی انسان تھا جس نے امانت کے تمام باریک تر حقوق ادا کئے اور الامانة اسی کے سپرد کی گئی باقی سب اس کے ذیل میں آنے والے لوگ ہیں۔ فرمایا:

”امانت سے مراد انسان کامل کے وہ تمام قویٰ اور عقل اور علم اور دل اور جان اور حواس اور خوف اور محبت اور عزت اور وجاہت اور جمیع نعماء روحانی وجسمانی ہیں جو خدا تعالیٰ انسانِ کامل کو عطا کرتا ہے۔“

اب دیکھیں کتنی لطیف تحریر ہے کہ روح وجد میں آ جاتی ہے اسے پڑھ کر۔ امانت سے مراد ایک تو وہ امانت ہے جو ہر کس و ناکس، ہر چھوٹے بڑے کو عطا ہوتی ہے لیکن وہ امانت کُلّی امانت نہیں ہے۔ وہ امانت جس میں ساری کائنات کے حقوق ادا کرنے ہوں وہ اصل امانت ہے اور جتنی بڑی امانت ہو اتنے بڑے اعضاء بھی دینے چاہئیں۔ اتنے بڑے دل اور دماغ اور اعصاب کی قوتیں بھی عطا ہونی چاہئیں۔ تو ان معنوں میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ امانت حقیقت میں اگر دیکھی جائے تو صرف ایک ہی شخص کو دی گئی یعنی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اور اس شخص کو دی گئی جس کے ساتھ اس امانت کو اٹھانے کے قویٰ بھی دئے گئے۔ اب یہ مضمون قرآن کریم میں ہر طرف مختلف صورتوں میں پھیلا پڑا ہے۔ مثلاً فرمایا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا (البقرة:287) کسی پر اس کی حیثیت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا۔ تو امانت بھی ایک ہی طرح کی ہر ایک کو نہیں دی گئی۔

ہر ایک کے قویٰ اس کے حواس اس کی فطری طاقتوں کو پیش نظر رکھ کر ٹکڑا ٹکڑا امانتیں دی گئی ہیں۔ پس اس طرح آپ دیکھیں تو ایسے لوگ جو سلوک کا سفر شروع کرتے ہیں ابھی ان کی امانت اس حد تک چھوٹی ہوتی ہے اور جو اس سلسلہ میں آگے بڑھ جاتے ہیں اسی قدر ان کی امانت بڑھتی چلی جاتی ہے اور اسی قدر اللہ تعالیٰ ان کے قویٰ اور حواس کو بھی وسعت عطا فرماتا ہے۔ پس اس پہلو سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی مثال پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اس سے مراد انسان کامل کے تمام قویٰ ہیں جو خدا تعالیٰ انسان کامل کو عطا کرتا ہے۔

”اور پھر انسان کامل برطبق آیت اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا (النساء:59) اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دے دیتا ہے۔“

اب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے سوا ایک بھی وجود ایسا نہیں، نہ انبیاءؑ میں ملتا ہے، نہ انبیاءؑ سے باہر جس نے تمام تر امانت سو فیصدی لوٹا دی ہو اور وہ امانت جس کی تعریف میں زمین و آسمان کی ذمہ داریاں آجاتی ہیں۔ پہلے انبیاءؑ نے جو امانت لوٹائی وہ محدود امانت تھی وہ کلیۃً ساری کائنات پر حاوی اور پھیلی ہوئی امانت نہیں تھی ایک شخص ہے جس کو خدا تعالیٰ نے امین بنایا عالمین کے لئے اور وہی شخص ہے جس کو وہ قویٰ عطا فرمائے جو اس ساری امانت کا بوجھ اٹھا لے اور پھر اسے خدا کے حضور پیش کر دیا۔ فرماتے ہیں:

”اس ساری امانت کو جناب الٰہی کو واپس دے دیتا ہے یعنی اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔“

اب یہ وہی پہلو ہے جس کے متعلق پہلے میں بتا چکا ہوں۔ امانت واپس کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ امانت یعنی جان سب قویٰ کو کھو بیٹھے، حواس سے جاتا رہے ہرگز یہ مراد نہیں۔ بلکہ مراد یہ ہے ”اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔“ یعنی جتنی بھی انسانی صفات ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہمیں یہ سبق سکھاتے ہیں کہ امانت واپس کرنے سے مراد یہ ہے کہ ان کی حفاظت کرو اور صرف خدا کی راہ میں خرچ کرو اس طرح خدا کو امانت واپس کی جاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ اپنے حواس کی بھی حفاظت کرنی ضروری ہے اور جو شخص اپنے حواس کی حفاظت سے غافل رہتا ہے وہ بھی امانت کا حق ادا نہیں کرتا۔ جو شخص اپنے دل اور دلی جذبات کی حفاظت سے محروم رہتا ہے وہ بھی امانت کا حق ادا

نہیں کر سکتا۔ جو شخص اپنے اعضاء کو بے محل استعمال کرتا ہے اور ان کو ضائع ہونے سے بچانے کی ہر ممکن کوشش نہیں کرتا وہ بھی امانت کا حق ادا نہیں کرتا۔ پس ہمہ وقت اس کوشش میں لگے رہنا کہ ہمارے اعضاء اور قویٰ اس حالت میں خدا کی طرف لوٹیں کہ جس حال میں اس نے دئے تھے اس سے جہاں تک ممکن ہو کم درجہ نہ ہوں ورنہ امانت کیسے واپس ہوگی۔ اگر کسی کی امانت میں سے آپ کچھ کھا چکے ہوں اور پھر وہ واپس کریں تو وہ ٹوٹی پھوٹی دے تو دی امانت کی واپسی کا حق ادا نہیں کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خاص شان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے تمام قویٰ کی بہت گہری نظر سے حفاظت فرمائی ہے۔ اپنے دماغ، دل، اپنے اعضاء کی اور اس غرض سے حفاظت فرمائی ہے کہ جب میں اسے خدا کی راہ میں خرچ کروں گا تو جو کچھ مجھے دیا تھا اس سے کم خرچ نہ کروں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اس مضمون کی آخری تعریف یہ فرماتے ہیں: ''اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔''

پس آپ کی امانتیں بھی خدا کو تب واپس لوٹیں گی جب آپ اپنے دائرہ میں رہتے ہوئے جو بھی امانتیں آپ کے سپرد کی گئی ہیں پہلے ان کی حفاظت کریں، ان کا خیال رکھیں اور ہر وقت واپسی کے لئے اس پہلو سے تازہ دم رہیں کہ جہاں جہاں بھی اسے واپس کرنے کا حکم آئے اسے اسی طرح واپس کرتے چلے جائیں اور یہ حکم بنی نوع انسان کے تعلق میں بھی آتا ہے۔ ہمہ وقت بنی نوع انسان پر جو آپ کے حقوق ہیں آپ کے ماحول کے آپ پر حقوق ہیں، آپ کے خاندان کے، آپ کے عزیزوں اور اقرباء کے آپ پر حقوق ہیں ان سب کے حقوق کی ادائیگی امانت کی ادائیگی ہے۔ پس امانت اس طرح ادا ہوتی ہے کہ پورا رستے میں کام کرتی چلی جاتی ہے، خرچ ہو رہی ہے اور اگر امانت اس طرح ادا نہ ہو تو وہ فائدے کی بجائے نقصان پہنچائے گی۔ اس کی مثال بجلی کی سی ہے۔ بجلی کو اگر اس طرح لوٹایا جائے کہ اس کی واپسی کے وقت اس کی طاقت کسی نیک مصرف میں کام آئے تو یہ امانت کا حق ادا کرنے کی ایک بہت اعلیٰ مثال ہے۔ اب بلب میں سے ہو کر اگر بجلی کی قوت، بجلی کی رَو دوسری طرف مائل ہوتی ہے تو رستے میں روشنی پیدا کرتی چلی جا رہی ہے اور اگر صحیح رستہ اختیار نہیں کرے گی تو آگ لگ جائے گی اور قوت بھی ضائع ہو جائے گی اور ارد گرد ماحول کو بھی وہ آگ لگا دے گی اور ماحول کو بھی بھسم کر سکتی ہے۔ پس یہ باریک راہیں ہیں تقویٰ کی جن کی طرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

نے ہمیں بلایا ہے اور متوجہ فرمایا ہے کہ اپنی امانتوں کو جہاں جہاں بھی خرچ کرتے ہو، جس مصرف میں بھی لاتے ہو دیکھو کہ ان رستوں کی پیروی کرتی ہوئی گزرتی ہے جن رستوں کی پیروی آنحضرت ﷺ نے فرمائی۔ چنانچہ آپ ﷺ کا ہر لمحہ بنی نوع انسان کے لئے وقف تھا اور بنی نوع انسان کی ہمدردی میں ایسی ایسی آپ ﷺ نے نصیحتیں فرمائیں اور ایسا کردار دکھایا کہ عمر بھر آپ اس پر غور کرتے چلے جائیں اور یہ سرمایہ ختم نہیں ہوسکتا۔ چودہ سو سال سے زائد عرصہ ہو گیا آنحضرت ﷺ نے نہ صرف خود امانتوں کا حق ادا کیا بلکہ ہمیں بھی بتایا کہ تمہارے بدن کی بھی تم پر یہ یہ امانتیں ہیں اور ان کا اس طرح خیال رکھو۔ صفائی کی تلقین فرمائی اور ہر قسم کی صفائی کی تلقین فرمائی یہاں تک کہ آپ کے بدن پر ایک میل کا ذرہ بھی باقی نہ رہے۔ یہ امانت کا حق ادا کرنے میں داخل بات ہے۔ ایسا بدن ہوتو بیماریوں سے پاک ہوگا۔ ایسے بدن کو بہت کم خطرہ ہوتا ہے بیماریوں کا لیکن جیسا کہ ایک دفعہ پہلے میں بیان کر چکا ہوں سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک جتنے اعضاء اور ان کے باریک حصّے ہیں ہر ایک کے متعلق رسول اللہ ﷺ کی تعلیم موجود ہے۔ پس دیکھیں امانت کا حق کیسے ادا فرمایا۔ جو کچھ اپنے پر طاری فرمایا اپنی امت کو ہدایت دی اور قیامت تک کے لئے امت کو اس کا اہل بنا دیا کہ وہ امانت کا حق ادا کر سکے۔ پھر دل کی حفاظت، زبان کی حفاظت، دوسرے اعضاء کی اور خواہشات اور تمناؤں کی حفاظت اور پھر اس حفاظت میں دعائیں سکھائیں اور دعاؤں کا مضمون بھی زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے۔ اسی طرح اگر آپ امانت کے مضمون کو سمجھیں، آپ کی زندگی ہر لمحہ سنورتی چلی جائے گی، ناممکن ہے کہ ایک مقام پر ٹھہری رہے اور رسول اللہ ﷺ کے حوالہ کے بغیر یہ ہو ہی نہیں سکتا۔

> ”یعنی اس میں فانی ہو کر اس کی راہ میں وقف کر دیتا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ شان اعلیٰ اور اکمل اور اتم طور پر ہمارے سیّد ہمارے مولیٰ ہمارے ہادی نبی اُمّی صادق مصدوق محمد مصطفی ﷺ میں پائی جاتی تھی۔“

(آئینہ کمالات اسلام، روحانی خزائن جلد 5 صفحہ: 161 تا 162)

اس میں ایک ایک لفظ قابل توجہ ہے یعنی ایک تعریف کا کلمہ ہے مگر ان تعریف کے کلمات میں ہر ایک میں ہمارے لئے سبق ہے۔ ”ہمارے سیّد“ اگر ہم آپ ﷺ کے پیچھے نہیں چلیں گے تو آپ ﷺ

کو ہمارے سیّد کیسے کہہ سکتے ہیں۔ سیّد تو وہ ہوتا ہے جو قوم کے آگے آگے چلتا ہے۔ سیّد وہ ہے جس کی خاطر قوم اپنا سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ تو اگرچہ سیّد دوسرے معنوں میں بھی ہیں کہ:

''سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ۔''

(کنز العمال، الفصل الثانی فی آداب السفر۔ آداب متفرقۃ، رقم الحدیث: 2937)

اور ان معنوں میں بھی ایسے سیّد ہیں کہ کسی سیّد نے اپنی قوم کی اتنی خدمت نہیں کی ہوگی جتنی رسول اللہ ﷺ نے اپنے وقت میں لوگوں کی اور بعد میں آنے والے زمانہ کے سب لوگوں کی خدمت کی ہے۔ اس سے پہلے جو میں اشارے کر چکا ہوں خدمتوں کے ان کی تفصیل میں جانے کا تو وقت ہی نہیں مگر اکثر لوگ سمجھ چکے ہیں کہ ہر باریک سے باریک ضرورت پر اس ضرورت کو مہیا کرنا یہ بہترین خادم کا کام ہے اور جیسا اچھا سیّد ہوگا ویسا ہی اچھا خادم بھی ہوگا اور اس کی جب سردار خدمت کر رہا ہو تو جواباً اپنا سب کچھ اس پر نثار کرنے کو دل چاہتا ہے۔ جب ماں باپ بچوں کی خدمت کرتے ہیں تو ان کے دل میں یہی جذبے پیدا ہوتے ہیں تو آنحضرت ﷺ کے متعلق یہ جو فرما دیا ''سیّد'' تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب سیّد کہا تو ان سب باریک باتوں پر نظر رکھتے ہوئے کہا ہے آپؑ کا ایک جملہ، ایک فقرہ، ایک لفظ بھی مغز سے خالی نہیں ہوا کرتا تھا۔

''ہمارے مولیٰ۔'' مولیٰ ایک تو اس کو کہتے ہیں جو دوست ہو یعنی آنحضرت ﷺ کا دوست بننے کی کوشش کرو۔ دوسرے مولیٰ اس کو کہتے ہیں جو مصیبت کے وقت کام آنے والا ہو، جس پر انحصار کیا جاتا ہے اور بھی مولیٰ کے بہت سے معنی ہیں اور مولیٰ کا ایک معنی خادم بھی ہے تو سیّد کے مضمون میں جو خادم کے معنی ہیں وہ بھی اس لفظ مولیٰ میں آجاتے ہیں مگر مولیٰ وہ ہے حقیقت میں، جس کے سپرد انسان اپنی جان کر دے یعنی جو آقا ہو اور اس کی ہدایت کے بغیر انسان اپنے اعضاء کا کوئی حصّہ کسی پہلو پہ بھی خرچ نہ کرے جیسے غلام کو اپنے مالک سے نسبت ہوتی ہے ویسے ہی ایک بندہ کو اپنے مولیٰ سے نسبت ہوتی ہے لیکن لفظ مولیٰ بہت وسیع لفظ ہے۔ اس کی باریکیوں میں جائیں تو آپ حیران رہ جائیں گے کہ حضرت اقدس محمد مصطفی ﷺ سے تعلق کے ہر پہلو کو اس لفظ مولیٰ نے گھیر لیا ہے۔ خادم والا حصّہ تو میں بیان کر چکا ہوں۔ مولیٰ کیسا کہ ہر وقت خدمت پر مامور اور وہ مولیٰ جو خدمت پر مامور ہو ہمہ وقت انسان کا فرض ہے کہ وہ اس کی خدمت پر مامور رہے پھر جب ضرورت پڑے تو وہ

مدد کو آتا ہے۔ یہ مدد جو ہے اس دُنیا میں بھی ہے اور آخرت میں بھی ہے کیونکہ اس دُنیا میں جب بھی مصیبت پڑتی ہے اگر آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حوالہ دے کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجتے ہوئے دعا کریں تو وہ دعائیں زیادہ مقبول ہوتی ہیں۔ پس یہ محض خیال نہیں ہے کہ اس دُنیا میں اب چودہ سو سال بعد ہماری مدد کیسے کر سکتے ہیں۔ عملاً مدد کرتے ہیں اور اس مدد کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایک طریق کار بھی سمجھایا گیا۔ الہاماً آپؑ کو بتایا گیا کہ یہ دعا کیا کرو:

''سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ، سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ۔''

(نزول المسیح، روحانی خزائن جلد 18 صفحہ: 586)

اگر یہ دعا کرو گے تو تمہاری دعائیں لازماً قبول ہوں گی کیونکہ اس دعا اور التجا کو سن کر پھر اللہ اپنی نظر تم سے پھیر نہیں سکتا۔ یہی طریق حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابن عباسؓ کو سمجھایا، دوسرے بچوں کو بھی سمجھاتے رہے کہ تمہیں چاہئے کہ تم سب سے پہلے اللہ کی حمد بیان کرو کیونکہ جو کچھ مجھے ملا ہے اسی سے ملا ہے، اس کی تسبیح کے گیت گاؤ اور اس کے بعد کیونکہ اس کا تعارف میں نے کروایا ہے، جس شان سے وہ مجھ پر جلوہ گر ہوا ہے اور جس شان سے میں نے اسے تم لوگوں سے آشنا کروایا اس کی اور کوئی مثال کہیں دکھائی نہیں دیتی پس فرمایا یہ دو باتیں اکٹھی رکھو تو تمہاری دعائیں قبول ہوں گی۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی شدید ضرورت کے وقت خدا تعالیٰ نے الہاماً یہ دعا سکھائی کہ خدا کی تسبیح کے گیت گاؤ، اس کی حمد کے گیت گاؤ اور اس کی عظمت کے گیت گاؤ۔ یہ دو کلمے ہیں جو زبان پر ہلکے ہونے کے باوجود بہت بھاری ہیں ان پر اگر آپ غور کریں تو جتنا بھی غور کریں گے۔ آپ کو حیرت ہوتی چلی جائے گی کہ ان میں وسعت کتنی ہے۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ اللہ پاک ہے مگر اپنی حمد کے ساتھ پاک ہے۔ کوئی بھی ایسا منفی پہلو نہیں جو اس میں موجود ہو اور ہر منفی پہلو کے نکل جانے کے نتیجہ میں ایک تعریف کی جگہ خالی ہو جاتی ہے تو سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ کا اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ پاک ہے ان معنوں میں کہ اس میں حمد کے سوا کچھ بھی بھرا ہوا نہیں رہا۔ تمام تر حمد ہو گیا ہے اور عظمتیں اس کے نتیجہ میں ملتی ہیں۔ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ تو ایک سوچنے والا سوچ سکتا ہے کہ اگر وہ عظیم بننا چاہتا ہے تو اس کی پیروی کرے جو عظیم بنا ہے ان دو خوبیوں کی بناء پر، زبردستی عظیم نہیں بنا۔

جیسے بعض بادشاہ اپنے آپ کو عظیم کہنے لگ جاتے ہیں۔ بعض ڈکٹیٹر عظیم بن جاتے ہیں لیکن اپنی صفات کی وجہ سے کوئی عظیم بن کے دکھائے یہ عظمت ہے۔ فرمایا وہ دیکھو سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ اور سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ وہ عظیم ہے اس سے بڑا ہو ہی نہیں سکتا۔ میں نے غالباً پہلے بھی بیان کیا تھا کہ یہاں اعظم نہیں فرمایا عظیم فرمایا ہے اور تمام اہل لغت جانتے ہیں کہ عظیم زیادہ بڑا لفظ ہے اعظم کے مقابل پر کیونکہ عظیم کا مطلب ہے کوئی اور ہے ہی نہیں تو اس سے مناسبت کیا ہوگی پھر۔ ایک ہی ہے جو عظیم ہے اس سے اوپر کا تصور تب ہوا گر کوئی اور بھی عظیم ہو۔ تو ان معنوں میں اگر آپ لفظ عظیم کی گہرائیوں میں اتریں اور اس کی وسعتوں پر واقعۃً نظر رکھیں تو عظیم سے بڑھ کر عظمت کا کوئی تصور قائم نہیں ہوسکتا۔

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ دعا ہمیں سکھا دی تو لازم تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوپر درود بھیجا جائے جس نے اتنا بڑا خزانہ ہمیں عطا کر دیا اور چھوٹے سے ایک جملہ میں اتنی وسعتیں بھر دیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود وسلام بھیجتے ہوئے آپ کو امانت کا حق ادا کرنا آسان ہو جائے گا۔ اور جب کسی امانت کی ادائیگی میں مشکل پیش آئے گی یا اور بھی دُنیا میں سو قسم کے ہَول ہوتے ہیں، سو قسم کی وحشتیں آپ کو گھیر لیتی ہیں اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عملاً ان معنوں میں آپ کی مدد کریں گے کہ اس وقت آپ کی دعائیں قبول ہوں گی اگر آپ نے امن کے حال میں اس دعا کو یاد رکھا ہو۔ پس اس بات کو بھی آپ کو یاد رکھنا چاہئے کہ امانتیں امن کے حال میں واپس کی جاتی ہیں اور امن اور امانت کا ایک گہرا تعلق ہے اور اس کا مقبولیت دعا سے بھی ایک گہرا تعلق ہے۔ یہ دونوں ایک ہی لفظ، ایک ہی مادہ سے بنے ہوئے ہیں۔ جب انسان امن کی حالت میں کوئی چیز واپس کرے تو اس کا مطلب ہے اس نے دل کی گہرائی سے، محبت کے نتیجہ میں پیش کر دی، جب امن نہ رہے اور پھر وہ واپس کرے تو یہ مجبوری کی واپسی ہے۔ پس اللہ کی امانت کا حق اسوقت ادا کرو جب کہ تمہیں کوئی حالات کی مجبوری اور حالات کے خوف درپیش نہ ہوں۔ کوئی خطرہ تمہیں نہ گھیرے ہوئے ہو اس وقت بھی اللہ کی امانت ادا کر رہے ہو تو پھر جب تم خطرہ میں مبتلا ہو گے تو لازماً اللہ تعالیٰ تمہاری حفاظت فرمائے گا۔ یہ مضمون ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام تھوڑے لفظوں میں بیان فرماتے ہیں لیکن ان کو سمجھنا ضروری ہے۔

پھر فرمایا: ’’ہمارے ہادی۔‘‘ ہمارے ہادی میں مولیٰ کا مضمون تو آ ہی جاتا ہے پھر اس کے علاوہ کیا بات ہے کیونکہ میں نے غور کیا ہے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارتوں میں کوئی لفظ کلیۃً زائد نہیں ہے۔ بعض مضامین اس میں ہوتے ہیں، بعض علاوہ مضمون بھی ہوتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ ہر اس شخص کے لئے ہادی ہیں خواہ وہ ہدایت پائے یا نہ پائے۔ پہلا مضمون کامل غلاموں کے حق میں اطلاق پا رہا تھا اور ہادی کا مضمون تمام بنی نوع انسان کے حق میں یکساں اطلاق پاتا ہے۔ آپ ﷺ نے صحیح رستہ ہی دکھانا ہے اور دو معنے بنتے ہیں اس کے۔ ایک یہ کہ آپ ﷺ صحیح رستے کے سوا کوئی رستہ دکھا ہی نہیں سکتے جب بھی رستہ دکھائیں گے صحیح رستہ دکھائیں گے اور اس کو بھی دکھائیں گے جو اعراض کرنے والا ہو اور اس کو بھی دکھائیں گے جو غلامانہ آپ ﷺ کی اطاعت کرنے والا ہو۔ پس ہادی کا لفظ حاوی ہے اور تمام بنی نوع انسان پر حاوی ہے اور ان کی تمام ضرورتوں پر حاوی ہے۔ چنانچہ جتنے بھی مشرکین ہیں یا خدا کی ہستی کا انکار کرنے والے ہیں یا دوسرے متکبر لوگ ان تمام لوگوں کے لئے ان کی ضرورتوں سے متعلق آنحضرت ﷺ نے آگاہ فرما دیا ہے، ان کو ہدایت دے دی ہے، یہ کرو گے تو فائدہ اٹھاؤ گے اگر نہیں کرو گے تو تمہارا اپنا نقصان ہے۔ پس ہمارے ہادی فرما کر آنحضرت ﷺ کی ایک اور شان بیان فرمائی گئی ہے۔

’’اور نبی‘‘ جو سب جانتے ہیں کہ نبی ہیں مگر نبی بمعنی غیب کی خبریں دینے والا۔ پس آئندہ خطرات سے ہمیں کیسے آگاہ فرمایا اگر آئندہ کے خطرات کی خبریں نہ دی ہوتیں۔ تو ہر لفظ میں اتنی گہرائی ہے کہ جب میں ڈوب کر دیکھتا ہوں تو میں حیران رہ جاتا ہوں کہ کچھ بھی باقی نہیں چھوڑا۔ کیا ہے یہ کتاب نہ چھوٹا چھوڑتی ہے نہ بڑا چھوڑتی ہے۔ قیامت تک کے لئے جتنے بھی خطرات بنی نوع انسان کو درپیش ہو سکتے تھے اس نبی نے ان کی خبریں دی ہیں لیکن یہ نبی کیا ہے ’’نبی اُمّی‘‘ کلیۃً بظاہر تعلیم سے بے بہرہ لیکن ’’اُمّیٔ صادق و مصدوق‘‘ ایسا اُمّی ہے جس نے خدا کے حق میں ہمیشہ سچ بولا اور پوری سچائی کے ساتھ خدا کی صفات بیان فرمائیں جو مضمون پہلے گزر چکا ہے اس کے نتیجہ میں مصدوق ہو گیا یعنی خدا تعالیٰ نے اس کی ہر بات کی تائید فرمائی اور ہر بات میں اس کی صداقت کی گواہی دی۔ اب یہ نبی امّی کے ساتھ صادق و مصدوق ہونا ضروری تھا ورنہ ایک ایسا خبریں دینے والا جس کو ظاہری علم بھی کوئی نہ ہو اس پر جب خبریں پوری ہونگی اس وقت تو اعتماد کیا جا سکے گا مگر اس زمانہ

کے لوگ کیسے اعتماد کر سکتے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے رہنے والے تھے، اوّلین مخاطب تو وہی تھے۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نبی اُمّی صادق مصدوق کہہ کر یہ فرما دیا کہ وہ جانتے تھے ان کے سامنے کلام الٰہی نازل ہو رہا تھا کہ ایک اُمیؔ پر ایک ایسا کلام نازل ہو رہا ہے جو اپنی طرف سے بنا نہیں سکتا اور جو خبریں دیتا ہے وہ صرف دور کی خبریں نہیں نزدیک کی خبریں بھی دیتا ہے اور صادق ہے کیونکہ اس کی گواہی پر ایک خدا کھڑا ہے جو کامل قدرتوں کا مالک ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خبروں کی شان بڑھانے کے لئے اُمیؔ کہنا ضروری ہے۔ ایک شخص جو اپنی طرف سے کچھ بنا سکتا ہی نہیں اور پھر اس کی ہر بات پوری ہو، اس شان سے پوری ہو کہ جس وقت کلام شروع کیا ہے اس وقت سے یہ خبروں کا سلسلہ شروع ہو گیا ہے اور جب وفات ہوئی تو یہ خبروں کا سلسلہ بند نہ ہوا اور قیامت تک بند نہیں ہوگا۔ بے شمار خبریں ہیں جو ہماری زندگیوں میں ہماری نسلوں نے پوری ہوتی دیکھ لی ہیں مگر بے شمار ایسی ہیں اور کوئی علم نہیں کہ وہ اس سے بہت زیادہ ہوں جو ہم نے پوری ہوتی دیکھ لی ہیں۔ میں یہ اندازہ کرتا ہوں کہ بعد میں آنے والی خبریں ان خبروں سے بہت زیادہ ہیں جن کو ہم نے پورا ہوتا دیکھا ہے کیونکہ ہر دور کا انسان یہی سمجھا کرتا ہے کہ میں نے سب کچھ دیکھ لیا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں جیسا کہ بعض حدیثوں سے پتا چلتا ہے کہ میں نے اب سب کچھ دیکھ لیا اب میرے ہوتے ہوئے ساری باتیں پوری ہو گئی ہیں حالانکہ بعض باتوں کا معمولی سا حصّہ پورا ہوا تھا بہت کچھ پورا ہونے والا باقی تھا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قیامت تک صادق و مصدوق بنے رہیں گے اس وجہ سے میرا یہ استنباط ہے کہ ہم سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے سب کچھ دیکھ لیا مگر بعض صحابہؓ بھی تو یہی سمجھا کرتے تھے لیکن بعد کے آنے والے وقت نے بتایا کہ غلط ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ جس طرح اللہ کے علم کا احاطہ نہیں ہو سکتا اسی طرح جس کو خدا نے اپنا کامل علم بخشا ہے اس کا بھی احاطہ نہیں ہو سکتا۔ پس قیامت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے سید، ہمارے مولیٰ، ہمارے ہادی، نبی امی، صادق مصدوق بنے رہیں گے۔

اور آخری بات یہ کہ ''محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' سب سے زیادہ تعریف کیا گیا خدا کی طرف سے اگر کوئی تھا تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا اور مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھا۔ اللہ نے اسے ہر چیز سے نتھار کے اپنے لئے چن لیا۔ جب اپنے لئے چن لیا تو لازم تھا کہ ہر قسم کے عیوب، نقص، معمولی معمولی گرد و غبار کے نقش بھی اس

سے دور کر دئے جائیں یہ ہے مصطفی اور آخری بات یہ کہ ’’صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم‘‘ اسی پر سارا مضمون ختم ہو جاتا ہے امانتوں کا۔تو میں اُمید رکھتا ہوں کہ جماعت اسی تفصیل کے ساتھ غور کرتے ہوئے اپنی امانتوں کے حق ادا کرنے کی کوشش کرے گی اور باقی جو قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ والا مضمون ہے وہ انشاءاللہ اگلے خطبہ سے شروع کریں گے۔